© rasailojaraid.com

علم الاخلاق اور علم المعیشت کا باہمی ربط و تعلق

حضرت شاہ ولی اللہ کا ایک خاص نظریہ

از مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی

یہ مقالہ انجمن ترقیِ ادب دہلی کے دوسرے سالانہ اجلاس کی نشستِ مقالات میں پروفیسر رشید احمد صاحب صدیقی ایم ۔ اے (علیگ) کی زیرِ صدارت ۲۳ ۔ فروری ۱۹۴۱ء کو ٹاؤن ہال دہلی میں پڑھا گیا۔ (برہان)

تمہید حضراتِ کرام ۔ اس ادبی مجلس میں جس موضوع پر کچھ کہنے کا ارادہ ہے وہ اپنی حیثیت میں ایک اچھوتا موضوع ہے ۔ بلکہ بغیر کسی خودستائی اور علمی غرور کے بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ علمی دنیا میں یہ پہلی کوشش ہے جو سپردِ قلم کی گئی ہے لیکن ایسے بڑے دعوے کے ساتھ یہ بھی واضح رہے کہ جو کچھ کہا گیا ہے وہ اُس سے بہت کم ہے جو اس سلسلہ میں کہا جانا چاہیے ۔

مختلف وجوہ و اسباب کے علاوہ اس اختصار کی بڑی وجہ ، میری عدیم الفرصتی ہے اور غالباً مجلس ترقی ادب کا یہ "یک روزہ" اجلاس بھی طوالت کا متحمل نہ ہوتا ۔

مقالہ کا موضوع اس مقالہ کا اصل موضوع "علم الاخلاق کے ساتھ علم المعیشت کا تعلق" ہے ۔ مگر حکماءِ اسلام میں چونکہ صرف حکیم الامۃ شاہ ولی اللہ (نور اللہ مرقدہ) نے اس "تعلق" کو "علم الاخلاق" میں بہت اہمیت دی ہے اور حکمت ولی اللّٰہی میں اس کا مقام بہت بلند ہے ۔ اس لیے اگر ہم اس کی تعبیران الفاظ میں کریں

© rasailojaraid.com

کہ شاہ ولی اللہ کے فلسفہ کا خصوصی امتیاز کیا ہے تو یہ صحیح اور برمحل ہوگا

حکمت کی تعریف جدید و قدیم فلاسفہ اور حکماء نے فلسفہ اور حکمت کی جو تعریفیں کی ہیں اُن کا خلاصہ اور نچوڑ اس طرح کیا جا سکتا ہے۔

"حکمت نام ہے قول و عمل میں درست کاری، اور حق و راستی کی معرفت کا۔ پس اگر یہ معرفت اور درست کاری اشیاء کے پوشیدہ اسرار، اور اسباب و مسببات کے باہمی تعلق و ارتباط سے آگاہ کرتی ہے تو اس کو حکمت علمیہ کہتے ہیں"۔

اس پوری حقیقت کو قرآنِ عزیز نے اپنے معجزانہ انداز میں اس طرح بیان کیا ہے:۔

من یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیراً (بقرہ) جس شخص کو "حکمت" سے حصہ دیا گیا ہے بلاشبہ اُس کو زبردست بھلائی دی گئی اور بہت بڑا کمال بخشا گیا۔

اور اگر مسطورہ بالا معرفت اور آگاہی رموزِ قدرت کے مطابق ہر شے کو اُس کے مناسب جگہ دے تو اس کو "حکمتِ عملی" کہا جاتا ہے[1]۔

حکمت کی عظمت حکمت اپنے اندر کیسے عظیم الشان کمالات رکھتی ہے اور حیاتِ انسانی کے ارتقاء میں اس کا درجہ کس قدر بلند اور پُر عظمت ہے؟ اس کا اندازہ جدید اور قدیم علمی کائنات کے اُس ذخیرہ سے ہو سکتا ہے جو علمی نظریوں اور عملی سائنس کے ذریعہ ہماری مادی زندگی کی ترقی اور سربلندی کی بیش بہا خدمات انجام دیتا رہا، اور دے رہا ہے

نیز ہماری روحانی نشو و نما اور کمالات کے ارتقاء کا ضامن اور کفیل ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خالقِ علوم نے اپنی ذات کے ساتھ اس کمال کو متصف ظاہر کیا ہے

اِنّک انت العلیم الحکیم ۔ بلاشبہ تو ہی علم والا، حکمت والا ہے[2] (یعنی سرچشمۂ علم و حکمت ہے)

---

[1] مدارج السالکین جلد ۲ ص ۲۴۴ [2] اخلاق جلالی ۔ص ۲۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حکمت اور علم الاسرار یہی حکمت جب "قوانینِ الٰہی" (شریعتِ حقہ) کے رازہائے سربستہ اور حقائق و رموز سے آگاہی میں استعمال کی جاتی ہے تو اس کا نام "علم الاسرار" ہو جاتا ہے۔ اس وقت اُس کا منشا یہ ہوتا ہے کہ وہ بتائے کہ دین و مذہب کے قوانین و اصول کس طرح عقل و فطرت (نیچر) سے مطابقت رکھتے اور کس طرح کائنات کے انفرادی و اجتماعی نظام کے لیے باعثِ فلاح و سعادت ہیں۔

دینی فلاسفر و حکماء اسلام میں سرتاجِ انبیاء محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد فلسفہ و حکمت کے اس خاص شعبہ "علم الاسرار" کا معلم اول عمر بن الخطاب (فاروق اعظم رضی اللہ عنہ) ہے۔ اور معلم ثانی علی بن ابی طالب (حیدر کرار رضی اللہ عنہ) کو سمجھا جاتا ہے۔ عورتوں میں یہ سعادت سب سے پہلے "عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) کے حصہ میں آئی۔

اس کے بعد اسلامی گہوارہ میں بہت سی ماؤں نے ایسے بچوں کی پرورش کی جو غزالی، قشیری رازی، ابن تیمیہ، ابن قیم اور احمد سرہندی بن کر اس فلسفہ و حکمت کے "امام" کہلائے

حکیم الامۃ امام ولی اللہ دہلوی لیکن بارہویں صدی ہجری کے شروع میں یوپی کے غیر معروف قصبہ پھلت میں معلم اول حضرت عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) کی نسل سے ایک بچہ نے عالم وجود میں قدم رکھا، والدین کی جانب سے اگرچہ اُس کو احمد سے موسوم کیا گیا۔ لیکن اپنی فطری کمالات اور "علم اسرار و حکمت" کی امامتِ کبریٰ نے اس آفتابِ حکمت کو دارالسلطنت دہلی میں" ولی اللہ" کے لقب سے مشہور کیا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ فیلسوفِ اُمت ولی اللہ دہلوی نے حکمتِ ربانی اور فلسفۂ الٰہی کا جو "اسلوب" قائم کیا وہ اپنے تمام پیشروؤں سے زیادہ ممتاز اور اپنی حیثیت سے بہت زیادہ وقیع ہے۔ یہی نہیں بلکہ تمام اسلامی و غیر اسلامی حکماء و فلاسفر کے نظریۂ اخلاق میں وہ حقیقت مفقود نظر آتی ہے جو اس حکیم و فیلسوف کے یہاں بدرجۂ کمال پائی جاتی ہے۔

حکیم الامۃ کا نظریۂ اخلاق شاہ ولی اللہ بہت سی پُر عظمت کتابوں کے مصنف ہیں جو مختلف علوم و فنون کا نادر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ذخیرہ ہیں مگر اُن کی تصنیفی زندگی کا شاہکار "حجۃ اللہ البالغہ" ہے۔ یہ کتاب علوم عقلیہ و نقلیہ کا بیش بہا گوہر اور انمول موتی ہے۔ "علم اسرار" اور "حکمتِ ربانی" کے پیشِ نظر شاہ صاحب نے اس میں وہ سب کچھ سپردِ قلم کر دیا ہے جو انسانی سعادت کے انفرادی و اجتماعی دونوں پہلوؤں اور دنیوی و اُخروی دونوں زندگیوں سے متعلق ہے۔ اس کتاب کا ایک حصہ "علم الاخلاق" سے متعلق ہے جس میں اخلاق کے علمی نظریوں اور عملی درست کاریوں کو بہترین طرزِ نگارش کے ساتھ واضح کیا گیا ہے۔

دوسری کتابوں میں جب آپ "علم الاخلاق" کے اُن مباحث کا مطالعہ کریں گے جن میں "علم الاخلاق کا دوسرے علوم سے تعلق" پر بحث کی گئی ہے تو تمام علماءِ اخلاق اور حکماء و فلاسفر کو اس پر متفق پائیں گے کہ وہ اس سلسلہ میں علم ما بعد الطبیعۃ (میٹا فزکس)، فلسفۂ طبیعی (فزکس)، علم الارتقاء (ایولیوشن)، علم النفس (سایکالوجی)، علم المنطق (لاجک)، جمالیات (استھٹک)، فلسفۂ قانون (فلاسفی آف لا)، علم الاجتماع (سوشیالوجی) اور فلسفۂ تاریخ (فلاسفی آف ہسٹری) کا تو ذکر کرتے ہیں لیکن کسی ایک جگہ بھی یہ اشارہ نہیں کرتے کہ "علم اخلاق" کا کوئی تعلق اجتماعی علم المعیشت سے بھی ہے یا نہیں، اور اگر ہے تو کس طرح کا ہے؟

ارسطو کی کتاب الاخلاق، فلسفۂ اخلاق میں ابن مسکویہ کی کتاب السعادۃ اور تہذیب الاخلاق ماوردی کی ادب الدنیا والدین، غزالی کی احیاء العلوم، راغب کی الذریعہ، ابن قیم کی مدارج السالکین اور اسی قسم کی دوسری اخلاقی کتابوں میں کسی جگہ اس کا ذکر نہیں ملتا۔ مشہور حکماء و فلاسفر اور علماءِ اخلاق کے تمام مباحثِ اخلاق کو غور و خوض سے مطالعہ کرنے کے باوجود اس سلسلہ میں ناکامی کے سوائے اور کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ چنانچہ قدیم علماء و حکما، مثلاً ارسطو، فلاطون، سقراط، منکہ ہندی، رواقی، ابیقوریین، کندی، فارابی ابی سینا، غزالی، ابن باجہ، ابن طفیل، ابن رشد، ابن خلدون، ابن تیمیہ، ابنِ عربی، ابن مسکویہ اور اخوان الصفا کے بیان کردہ "اخلاقی نظریے" جس طرح اس مسئلہ میں تہی دامن ہیں اُسی طرح جدید علماءِ اخلاق" مثلاً کاؤنٹ، اسپنسر، شوپنہار، دیکارٹ فرنساوی، بنتھم اور جون اسٹورٹ مل، سپنوزا، جرین، ہیگل کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حکمت و فلسفہ کے تمام اخلاقی نظریے بھی اس سوال کے جواب میں واماندہ و بیچارہ نظر آتے ہیں۔

حالانکہ جرمن فلاسفر آگسٹ کمٹ اور کاؤنٹ اور انگریز فلاسفر ہربرٹ اسپنسر تو اُن مشاہیر فلاسفروں میں سے ہیں جنہوں نے "علم الاخلاق" کے ساتھ علم الاجتماع اور علم الارتقا کو منطبق کرنے کے لیے بہت سے جدید اور وسیع نظریوں سے کام لیا ہے لیکن ان میں سے کسی ایک کی بھی پروازِ خیال اُس رفعت و بلندی تک نہ پہنچ سکی جو ولی اللہ دہلوی کے حصہ میں آئی۔

متاخرین علماءِ اخلاق عارف رومی، سعدی اور شیخ سرہندی نے اخلاقیات پر بہت کچھ کہا، اور خوب کہا مگر دنیا کے اجتماعی اخلاق کی برتری یا بربادی پر جو چیز سب سے زیادہ اثر انداز ہے اور ہوتی رہی ہے یعنی "اجتماعی اقتصادیات" اُس کا نشان یہاں بھی نہیں ملتا۔

غرض "ولی اللہ دہلوی" کی مشہور کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" وہ پہلی کتاب ہے جس نے ہم کو اس بیش قیمت علمی نظریہ سے روشناس کرایا کہ "اجتماعی علم اخلاق کی فلاح و سعادت، اجتماعی معاشیات کے عادلانہ نظام پر موقوف ہے"۔ اور یہ کہ دنیا کی قوموں کا اجتماعی اخلاق اُس وقت تک صحیح اور بہتر نہیں ہو سکتا جب تک کہ اُن کے درمیان ایک ایسا اجتماعی اقتصادی نظام قائم نہ ہو جائے جو افراط و تفریط سے پاک عادلانہ اصول رکھتا ہو۔

امام الحکمۃ "ولی اللہ" کے علاوہ تمام علماءِ اخلاق "جدید ہوں کہ قدیم" یہ سمجھتے رہے ہیں کہ قوموں کے اجتماعی اخلاق کو "حسین" بنانے کے لیے عمدہ اخلاقی نظریوں کے غازہ کی ضرورت ہے اس لیے اُنہوں نے جدید علم الاخلاق کو علم الاجتماع پر منطبق کرنے کی زبردست کوشش کی ہے۔ مگر ان تمام علماء سے جدا ولی اللہ دہلوی نے یہ دعویٰ کیا کہ "اجتماعی اخلاق" کا حُسن اُس وقت تک نہیں نکھر سکتا جب تک کہ اقوام کے اجتماعی جسم کو فاسد معاشی نظام کے جذام سے صحت نہ ہو جائے۔ اگر یہ ہو جائے تو پھر اجتماعی اخلاقیات کا تازہ خون خود بخود جسمِ اقوام میں دوڑنے لگیگا۔ اور اُس کے حُسن و زیبائش کے لیے کسی خارجی پوڈر اور غازہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی ضرورت نہیں رہیگی۔

اجمال کی تفصیل | اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ علماءِ اخلاق کے نزدیک یہ تسلیم شدہ مسئلہ ہے کہ علم اخلاق کا علم الاجتماع کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔اور وہ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں۔

"انسان کی زندگی اجتماعی زندگی کے بغیر ناممکن ہے، لہذا وہ ہمیشہ کسی نہ کسی جماعت کا فرد ہو کر ہی زندہ رہ سکتا ہے، اور یہ ہماری قدرت سے باہر ہے کہ ہم کسی ایک فرد کے نفضائل سے اس طرح بحث کریں کہ جس جماعت کی جانب وہ منسوب ہے اُس سے بالکل قطع نظر کرلیں اس لیے کہ اس کے بغیر ہم یہ کیسے جان سکتے ہیں کہ جس جماعت سے اس کا تعلق ہے اُس کے اندر وہ کون سے اوصاف ہیں جن سے نضائل ومحاسنِ اخلاق میں مدد ملتی یا رُکاوٹ پیدا ہوتی ہے؟"[۱]

"حقیقت حال یہ ہے کہ انسان نہ صرف کسی ایک بلکہ بہت سے روابط کے ساتھ ناگزیر طور پر مربوط ہے، اور اس طرح وہ اپنے کنبہ کا بھی عضو ہے، شہر و قریہ کا بھی، قوم کا بھی فرد ہے اور پھر تمام انسانی دنیا کا بھی"[۲]۔

"ان حقائق کے پیش نظر انفرادی اخلاق کا تعلق اجتماعی اخلاق کے ساتھ ایک ناگزیر امر ہے اور اگر یہ صحیح ہے تو پھر بلا شبہ علم الاخلاق کا تعلق علم الاجتماع کے ساتھ بھی ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے"[۳]۔

اور شاہ ولی اللہ نے خصوصیت کے ساتھ "مبحث ارتفاقات" کے عنوان سے اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی ہے[۴]۔

پس اس "مسلمہ عقیدہ" نے "انفرادی اخلاق" کے مقابلہ میں "اجتماعی اخلاق" کی برتری پر مہر تصدیق ثبت کردی، اور یہ واضح کردیا کہ حیاتِ انسانی میں اجتماعی اخلاق کی قیمت بہت زیادہ ہے کیونکہ اُس کی افادیت بہت زیادہ ہے۔

---

[۱] اخلاق و فلسفۂ اخلاق۔ص ۱۱ - ۱۲ [۲] ایضاً ص ۲۲۵ [۳] مختصر از اخلاق و فلسفہ ص ۲۲۵ تا ۲۲۷ [۴] حجۃ اللہ جلد اص ۳۸ - ۳۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن "علماءِ اخلاق" میں یہ اختلافی مسئلہ ہے کہ "اجتماعی اخلاق" میں سے کس خُلق کو شرف اور برتری حاصل ہے۔ کتب اخلاق میں اس بحث کو "فضیلت" کے باب میں بیان کیا جاتا ہے اور اس میں سقراط، ارسطو، فلاطون، ابن مسکویہ اور دورِ حاضر کے علماءِ اخلاق کے مباحث کو تفصیل سے نقل کیا گیا ہے۔ ان مباحث کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سقراط "ہر شے کی صحیح معرفت" کو سب سے بڑی فضیلت تسلیم کرتا ہے، ارسطو نظریہ "اوساط" کا قائل ہے یعنی ہر دو رذائل کے درمیان ایک فضیلت پوشیدہ ہے فلاطون کبھی اپنے اُستاد سقراط کی تقلید کرتا نظر آتا ہے اور کبھی "خواہشاتِ نفس پر ضبط اور کنٹرول" کو سب سے بڑی فضیلت شمار کرتا ہے۔

ابن مسکویہ ارسطو کی تائید میں مصروف ہے اور دورِ حاضر کے علماء فضائلِ اجتماعیہ کو بغیر کسی برتری اور فضیلت کے مختلف اقسام میں تقسیم کرتے نظر آتے ہیں، لیکن ولی اللہ دہلوی نے اصولِ اخلاق کو چار حصّوں میں تقسیم کرتے ہوئے "اجتماعی اخلاق" کے لیے صرف ایک ہی فضیلت کو "اصل" اور "معیار" قرار دیا ہے۔ اور وہ "عدل" ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں

"عدالت ہی ایک ایسی اساس ہے کہ جب انسانی اطوارِ زندگی مثلاً نشست و برخاست، خواب و بیداری رفتار و گفتار، اور شکل و لباس وغیرہ میں اس کا لحاظ کیا جائے تو اس کو "ادب" کہتے ہیں۔ اور جب مالی حیثیت یعنی جمع و خرچ سے متعلق امور میں اُس کو پیش نظر رکھا جائے تو اس کا نام "کفایت" ہے اور اگر تدبیر منزل میں اس کا صحیح استعمال کیا جائے تو وہ آزادی (سول لبرٹی) کہلاتی ہے۔ اور اگر تدبیر مملکت میں اُس کو بنیاد بنایا جائے تو اُس کو "سیاست" کہا جاتا ہے، اور اگر اس کو باہمی اخوت و محبت اور تعلقات میں اساس بنایا جائے تو اُسی "عدل" کو حُسنِ معاشرت کا نام دیا جاتا ہے[۱]۔

اجتماعی اخلاق میں "عدل" کی حیثیت کو جس طرح شاہ صاحب نے ظاہر فرمایا ہے "علماءِ اخلاق" کے لیے

---

[۱] حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲ ص ۶۹۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ ایک ایسا بہترین نظریہ ہے جو "فضیلت" سے متعلق، قدیم و جدید تمام مباحث کے اختلاف کے لیے ایک "محاکمہ" اور فیصلہ کن مسئلہ کی طاقت رکھتا ہے۔ اور اس سے اجتماعی اخلاق میں "عدل" کی برتری کے ساتھ ساتھ وہ تمام مشکلیں بھی حل ہو جاتی ہیں جو "فضیلت" کی بحث میں علماءِ اخلاق کے سامنے رونما ہیں۔

عدل کا تعلق نظام انسانی سے

فیلسوفِ اُمۃ" شاہ ولی اللہ" اجتماعی اخلاق میں "عدل" کو یہ حیثیت کیوں دیتے ہیں؟ اس کا جواب خود اُنہوں نے "عدالت" کی تعریف کرتے ہوئے دیا ہے۔ حجۃ اللہ میں ارشاد فرماتے ہیں:-

"عدالت ایک ایسے ملکہ کا نام ہے جس کے ذریعہ سے تدبیرِ منزل، سیاستِ مملکت اور اسی قسم کے اجتماعی معاملات کے لیے سہولت اور آسانی کے ساتھ ایک عادل اور پُر از خیر نظام قائم ہو جاتا ہے۔ دراصل یہ ایک ایسی نفسیاتی کیفیت کا نام ہے جس سے ایسے لطیف افکارِ کلیہ اور سیاسیاتِ عالیہ پھوٹ نکلتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے عالمِ روحانیات کے نزدیک ٹھیک اور مناسب ہوں[۱]"

اور فیوض الحرمین میں خُلقِ حَسَن "سمت صالح" کی بحث میں تحریر فرماتے ہیں۔

"اخلاق انسانی میں ایک خُلق کا نام "سمتِ حسن" (نیک سرشت) ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے نفسِ ناطقہ اُن اعمال و اخلاق میں بیداری اور توجہ کامل حاصل کر لیتا ہے جو اس کے اور خُدا کے درمیان اور اُس کے اور خدا کی تمام مخلوق کے درمیان وابستہ ہیں، اور ایسے "نظامِ صالح" کی جانب راہ پا جاتا ہے جو رضاءِ الٰہی کا منشاء ہے۔

سو جب اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کی بھلائی چاہتا ہے تو اُس کو ان اعمال و اخلاق کی سمجھ عنایت کرتا، اور "عادلانہ نظام" کی جانب راہنمائی کرتا ہے[۲]"

معیشت کا نظام اور علم الاخلاق

اس طویل بحث کو اب اس طرح ترتیب دیجیے کہ "انسان" اگر اخلاقِ کریمانہ سے متصف نہیں ہے تو پھر وہ حیوانوں اور چوپاؤں سے بھی بدتر ہے اور اس آیت کا مصداق ہے۔

---

[۱] حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲ ص ۶۸-۶۹

[۲] فیوض الحرمین ص ۷۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لھم قلوب لا یفقھون بھا ولھم — ان کے دل ہیں پر سمجھتے نہیں، اُن کے آنکھیں ہیں
اعین لا یبصرون بھا ولھم — پر دیکھتے نہیں اور اُن کے کان ہیں پر اُن سے سُنتے
اذان لا یسمعون بھا اولئك — نہیں، یہ چوپاؤں کی طرح ہیں بلکہ اُن سے بھی زیادہ
کالانعام بل ھم اضل — بے راہ ہیں۔ یہی ہیں جو غفلت میں سرشار ہیں۔
اولئك ھم الغفلون ۔ (الاعراف)

اخلاق میں انفرادی اخلاق سے زیادہ اجتماعی اخلاق کا مرتبہ ہے۔ قرآنِ عزیز نے اگرچہ جُدا جُدا ہر قسم کے اخلاقی اصول بیان کیے ہیں لیکن جس آیت کو جامع اخلاق کہا گیا اُس میں اُن ہی اخلاقِ کریمانہ کا ذکر ہے جو اجتماعی اخلاق کہلاتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے:-

ان اللہ یامرکم بالعدل و — بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے عدل کا احسان کا اور
الاحسان وایتاء ذی القربیٰ — قرابت والوں کے ساتھ حُسن سلوک اور داد و دہش کا۔

پھر یہی آیت اس کے لیے بھی فیصلۂ ناطق ہے کہ اجتماعی اخلاق میں بھی "عدل" کا درجہ بلند و بالا ہے اس لیے کہ "عدل" ہی سے احسان تک رسائی ہوتی ہے۔ اور "عدل" ہی "ایتاءِ ذی القربیٰ" کی توفیق بخشتا ہے۔ اس لیے آیت میں اُس کو اولیت کا شرف بخشا گیا۔

پھر "عدل" ہی اُس چیز کو منصۂ شہود پر لاتا ہے جو اجتماعی اخلاق بلکہ اجتماعی حیات کا مدار ہے یعنی "نظامِ صالح"۔ بلاشبہ یہ ایک محور و مرکز ہے اور تمام اجتماعی مسائل اسی کے گرد گھومتے نظر آتے ہیں، صرف اسی کے وجود سے اجتماعیات کا وجود ہے اور اسی کے فساد و فنا میں اجتماعیات کا فساد و فنا مضمر ہے۔

الحاصل ان ہر سہ درجات و منازل کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عادل و صالح نظام کی صلاحیت اور اُس کا فساد کس شے کے ساتھ وابستہ ہے؟ یہ بظاہر ایک بہت معمولی سوال ہے لیکن اپنی حقیقت کے پیشِ نظر بہت اہم اور اجتماعی حیات پر بہت زیادہ اثر انداز ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ارسطو کی کتاب الاخلاق اس کا جواب صرف یہ دیتی ہے کہ "صالح نظام" کا وجود "حصولِ سعادت" پر موقوف ہے جو اخلاقیات کے لیے "مثلِ اعلیٰ" ہے۔ لیکن "سعادت" کس طرح ہم کو ایک مکمل اجتماعی صالح نظام تک پہنچاتی ہے۔ اس کا جواب ارسطو کے پاس نفی میں ہے۔ البتہ وہ "علم الاخلاق" سے الگ ہو کر اس کا جواب "سیاسیات" میں دینے کی سعی کرتا ہے اور اس طرح "نظام اجتماعی" کو اخلاق سے جدا کر دیتا ہے۔

سقراط اور افلاطون کے یہاں بھی یہی حال نظر آتا ہے اور اسی طرح اُن کے متبعین مسلمان فلاسفروں اور حکماء کا حال ہے۔ ابن سینا، فارابی، ابن مسکویہ ابن رشد اس سلسلہ میں یہ سب اُسی اسکول کو مانتے چلے آتے ہیں جس کی طرح یونانی فلاسفروں نے ڈالی تھی۔

امام غزالی، ابن تیمیہ، ابن قیم، ابن عربی اور رومی اگرچہ اخلاقیات میں ایک مستقل اسکول رکھتے اور اُن کے لیے بہترین نوامیس قائم کرتے ہیں۔ تاہم اس سوال کے جواب میں "عدل" تک پہنچ کر وہ بھی خاموش ہو جاتے ہیں اور اُن کا فکر اس سے اوپر پرواز کرنے کو تیار نظر نہیں آتا۔

لیکن اس سوال کا جواب امام الحکمت ولی اللہ دہلوی کے پاس موجود ہے، اور بلاشبہ اُنھوں نے "صالح و عادل نظام" کی صلاحیت کو جس اصل اور ناموس پر قائم کیا ہے وہ اُن ہی کا طغرائے امتیاز ہے چنانچہ فرماتے ہیں:-

"جب پارسیوں اور رومیوں کو حکومت کرتے صدیاں گذر گئیں اور دنیوی تعیش کو اُنھوں نے اپنی زندگی بنا لیا اور آخرت تک کو بھلا دیا اور شیطان نے اُن پر غلبہ کر لیا تو اب اُن کی تمام زندگی کا حاصل یہ بن گیا کہ وہ عیش پسندی کے اسباب میں منہمک ہو گئے اور اُن میں کا ہر شخص سرمایہ داری اور تمول پر فخر کرنے اور اترانے لگا، یہ دیکھ کر دنیا کے مختلف گوشوں سے وہاں ایسے ماہرین جمع ہو گئے جو بجا عیش پسندوں کو داد عیش دینے کے لیے عیش پسندی کے نئے نئے طریقے ایجاد کرنے اور سامانِ عیش مہیا کرنے کے لیے عجیب و غریب دقیقہ سنجیوں اور نکتہ آفرینیوں میں مصروف نظر آنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لگے، اور قوم کے اکابر اس جد وجہد میں مشغول نظر آنے لگے کہ اسبابِ تعیش میں کس طرح وہ دوسرے پر فائق ہو سکتے، اور ایک دوسرے پر فخر ومباہات کر سکتے ہیں حتیٰ کہ اُن کے امراء اور سرمایہ داروں کے لیے یہ سخت عیب اور عار سمجھا جانے لگا کہ اُن کی کمر کا پٹکہ یا سر کا تاج ایک لاکھ درہم سے کم قیمت کا ہو، یا اُن کے پاس عالیشان سر بفلک محل نہ ہو جس میں پانی کے حوض، سرد و گرم حمام، بے نظیر باغ ہوں، اور ضرورت سے زائد نمائش کے لیے بیش قیمت سواریاں حشم وخدم اور حسین وجمیل باندیاں موجود ہوں، اور صبح وشام رقص وسرود کی محفلیں گرم ہوں اور جام وسبو سے شرابِ ارغوانی چھلک رہی ہو، اور فضول عیاشی کے وہ سب سامان مہیا ہوں جو آج بھی تم عیش پسند بادشاہوں اور حکمرانوں میں دیکھتے ہو اور جس کا ذکر قصۂ طولانی کے مرادف ہے غرض یہ غلط اور گمراہ کن عیش اُن کے "معاشی نظام" کا اصل الاصول بن گیا تھا۔ اور یہ کیفیت یہ ہو گئی تھی کہ یہ صرف نواب اور امراء کے طبقہ ہی کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ یوں کہئے کہ یہ ایک عظیم الشان آفت اور وبا کی طرح سرایت کر گیا تھا۔ اور عوام وخواص سب میں یہی جذبۂ فاسد پایا جاتا اور اُن کے "معاشی نظام" کی تباہی کا باعث بن رہا تھا۔

نتیجہ یہ تھا کہ مملکت کی اکثریت پر یہ حالت طاری تھی کہ دلوں کا امن وسکون مٹ گیا تھا ناامیدی، کاہلی بڑھتی جاتی تھی اور بہت بڑی اکثریت رنج وغم اور آلام ومصائب میں گھری نظر آتی تھی، اس لیے کہ ایسی مفرطانہ عیش پرستی کے لیے زیادہ سے زیادہ رقوم اور آمدنی درکار تھی اور وہ ہر شخص کو مہیا نہ تھی۔ البتہ اس کے لیے بادشاہ، نواب، امراء اور حکام نے معاشی دستبرد شروع کر دی، اور اس کا طریقہ یہ اختیار کیا کہ کاشتکاروں، تاجروں، پیشہ وروں اور اسی طرح دوسرے کارپردازوں پر طرح طرح کے ٹیکس عائد کر کے اُن کی کمر توڑ دی، اور انکار کرنے پر اُن کو سخت سے سخت سزائیں دیں، اور مجبور کر کے اُن کو ایسے گھوڑوں اور گدھوں کی طرح بنا دیا جو آبپاشی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور ہل چلانے کے کام میں لائے جاتے ہیں۔ اور پھر کارکنوں اور مزدور پیشہ لوگوں کو اس قابل بھی نہ چھوڑا کہ وہ اپنی حاجات وضروریات کے مطابق بھی کچھ پیدا کرسکیں۔ خلاصہ یہ کہ ظلم و بداخلاقی کی انتہا ہوگئی تھی۔

اس پریشاں حالی اور افلاس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اُن کو اپنی اُخروی سعادت وفلاح اور خدا سے رشتہ وبندگی جوڑنے کے لیے بھی مہلت نہ ملتی تھی۔ اور اس "فاسد معاشی نظام" کا ایک مکروہ پہلو یہ بھی تھا کہ جن صنعتوں پر نظام عالم کی بنیاد قائم ہے وہ اکثر یک قلم متروک ہوگئیں اور امراء ورؤسا کی مرضیات وخواہشات کی تکمیل ہی سب سے بڑی خدمت اور سب سے بہتر حرفہ شمار ہونے لگا۔

اور جمہور کی یہ حالت تھی کہ اُن کی تمام زندگی بداخلاقیوں کا نمونہ بن گئی تھی اور اُن میں سے اکثر کا گذارہ بادشاہوں کے خزانوں سے کسی نہ کسی طرح وابستہ ہوگیا تھا۔ مثلاً ایک طبقہ جہاد کیے بغیر باپ دادا کے نام پر مجاہدین کے نام سے وظیفہ خواری کررہا ہے تو دوسرا مدبرینِ مملکت کے نام سے پل رہا ہے، کوئی بادشاہ اور امراء کی خوشامد میں قصہ خوانی کرکے شاعری کے نام سے وثیقہ پا رہا ہے تو کوئی صوفی اور فقیر بن کر دعاگوئی کے زمرہ میں مالی استحصال کررہا ہے۔

خلاصہ یہ کہ کسبِ معاش کے بہترین طریقوں کا فقدان تھا اور ایک بڑی جماعت چاپلوسی، مصاحبت، چرب زبانی اور دربارداری کے ذریعہ معاش حاصل کرنے پر مجبور ہوگئی تھی اور یہ ایک ایسا فن بن گیا تھا جس نے اُن کے افکارِ عالیہ اور ذہنی نشوونما کی تمام خوبیاں مٹا کر پست وارذل زندگی پر قانع کردیا تھا۔

پس جب یہ فاسد مادہ وبا کی طرح پھیل گیا اور لوگوں کے دلوں تک سرایت کرگیا تو اُن کے نفوس دنائت وخست سے بھر گئے اور اُن کی طبائع اخلاقِ صالحہ سے نفرت کرنے لگیں، اور اُن کے تمام اخلاقِ کریمانہ کو گھن لگ گیا، اور یہ سب اُس "فاسد معاشی نظام" کی بدولت پیش آیا جو عجم و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

روم کی حکومتوں میں کارفرما تھا۔

آخر جب اس مصیبت نے ایک بھیانک شکل اختیار کرلی اور مرض ناقابل علاج حد تک پہنچ گیا تو خدائے تعالیٰ کا غضب بھڑک اُٹھا اور اُس کی غیرت نے تقاضہ کیا کہ اس مہلک مرض کا ایسا علاج کیا جائے کہ فاسد مادہ جڑ سے اُکھڑ جائے اور اُس کا قلع قمع ہو جائے۔

اُس نے ایک "نبی اُمّی" (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مبعوث کیا اور اپنا پیغامبر بنا کر بھیجا، وہ آیا اور اُس نے روم و فارس کی ان تمام رسوم کو فنا کر دیا اور عجم و روم کے رسم و رواج کے خلاف صحیح اصولوں پر ایک نئے نظام کی بنیاد ڈالی۔

اس نظام میں فارس و روم کے فاسد نظام کی قباحت کو اس طرح ظاہر کیا کہ معاشی زندگی کے اُن تمام اسباب کو یک قلم حرام قرار دیا جو عوام اور جمہور پر معاشی دستبرد کا سبب بنتے اور مختلف عیش پسندیوں کی راہیں کھول کر حیات دنیوی میں بیجا انہماک کا باعث ہوتی ہیں مثلاً مردوں کے لیے سونے چاندی کے زیورات اور حریر و دیباکے نازک کپڑوں کا استعمال اور تمام انسانی نفوس کے لیے خواہ مرد ہو یا عورت ہر قسم کے چاندی اور سونے کے برتنوں کا استعمال اور عالیشان کوشکوں اور رفیع الشان محلات و قصور کی تعمیر اور مکانوں میں فضول زیبائش و نمائش وغیرہ کہ یہی فاسد نظام کے ابتدائی منازل اور معاشی نظام کی تباہی کا منشاء و مولد ہیں۔

بہرحال خدائے تعالیٰ نے اُس ہستی کو اخلاقِ کریمانہ اور نیک نہادی کا معیار اور ان پاک اُمور کے لیے میزان بنا دیا۔"

اسی طرح شاہ صاحب "ارتفاقات" پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

"یہ واضح رہے کہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا منشاء اگرچہ بالذات عبادات الٰہی سے متعلق ہے مگر عبادات کے ساتھ ساتھ اس منشاء میں رسومِ فاسد کو فنا کرکے اجتماعی زندگی میں بہترین نظام کا قیام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی شامل ہو۔ اسی لیے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:-

بعثت لاتمم مکارم الاخلاق۔ — میں اس لیے معبوث کیا گیا ہوں کہ مکارم اخلاق کی تکمیل کروں۔

اور اسی لیے اُس مقدس ہستی کی تعلیم میں "رہبانیت" کو اخلاقی حیثیت نہیں دی گئی بلکہ انسانوں کے باہم اختلاط و اجتماع کی زندگی کو ترجیح دی گئی ہے لیکن اس اجتماعیت کا امتیاز یہ قرار دیا ہے کہ اُس کے معاشی نظام میں نہ دولت و ثروت کو وہ حیثیت حاصل ہو جو عجمی بادشاہوں کے یہاں حاصل تھی اور نہ ایسی کیفیت ہو کہ تمدن سے بیزار دہقان اور وحشی لوگوں کی طرح اُن کی معیشت ہو۔

پس اس مقام پر دو متعارض قیاس کام کر رہے ہیں۔ ایک یہ کہ نظام معیشت میں دولت و ثروت ایک محبوب و محمود شے ہے اس لیے کہ اگر وہ صحیح اصول پر قائم ہے تو اُس کی بدولت انسانوں کا دماغی توازن اعتدال پر رہتا، اور اُس سے اُن کے اخلاقِ کریمانہ صحیح اور درست رہتے ہیں۔ نیز انسان اس قابل بنتا ہے کہ دوسرے حیوانات سے ممتاز ہو۔ اس لیے کہ بیکسانہ اور مجبورانہ افلاس سوءِ تدبیر اور مزاج کے اختلال کا باعث ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ نظامِ معیشت میں دولت و ثروت ایک بدترین چیز ہے جبکہ وہ باہمی مناقشات اور بغض و حسد کا سبب بنتی اور خود اہل دولت و ثروت کے اطمینانِ قلب کو تعب اور حریصانہ کدوکاوش کے زہر سے مسموم کرتی ہو اور قوموں کو استحصال بالجبر اور دوسروں پر معاشی دستبرد کے لیے آمادہ کرتی ہو کیونکہ اس صورت میں یہ بداخلاقی کے مرض میں مبتلا کر دیتی، آخرت اور یادِ الٰہی یعنی روحانی زندگی سے یکسر غافل و بے پروا بنا دیتی اور مظلوموں پر نت نئے مظالم کا دروازہ کھولتی ہے۔ لہٰذا پسندیدہ راہ یہ ہے کہ دولت و ثروت "نظامِ معیشت" میں ایسا درجہ رکھتی ہو جو توسط اور اعتدال پر قائم اور افراط و تفریط سے پاک ہو۔ اور یہ صحیح معاشی نظام کے بغیر ناممکن ہے۔[۱]

۱۔ مختصر از حجۃ اللہ البالغہ جلد ۱ ص ۱۰۴ و جلد ۲ ص ۱۰۵ و ۱۰۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شاہ ولی اللہ کے اس نظریہ کی صداقت کے لیے پرانی تاریخوں کی ورق گردانی کی ضرورت نہیں، موجودہ یورپین حکمرانوں کی تاریخ ہی اس کے لیے زندہ شہادت ہے۔

کیا آپ اس بات سے انکار کر سکتے ہیں کہ جہاں تک انفرادی اخلاق کا تعلق ہے بعض یورپین اقوام اخلاقی مسائل میں بلند اخلاق اور مضبوط کیرکٹر کی حامل نظر آتی ہیں لیکن جب اُن کی اجتماعی اخلاقی زندگی پر نظر ڈالیے تو غدر، فریب، بدعہدی، معاشی دستبرد، استحصال بالجبر اور اسی قسم کی بداخلاقیوں کا سرتاسر مرقع نظر آتی ہیں، وہ معاہدات کرتی ہیں مگر بدعہدی کے لیے۔ مظالم توڑتی ہیں مگر آئین اور قانون کا نام دے کر، فریب کاریاں کرتی ہیں مگر تدبر اور سیاست کہہ کر، اور معاشی دستبرد روا رکھتی ہیں مگر تجارت اور تہذیب آموزی کا پردہ ڈال کر حتیٰ کہ انفرادی بداخلاقیوں میں سے بھی بدکاری، شراب خواری اور عیاشی اُن کا مایۂ خمیر بن چکی ہے۔

لیکن یہ سب کیوں ہے؟ صرف اس لیے کہ اُن کے معاشی نظام کی بنیادیں جمہور کی حاجتوں کے پورا کرنے کے اصول پر استوار نہیں کی گئیں بلکہ اُس سرمایہ دارانہ اصول پر قائم ہیں جس کو شاہ ولی اللہ کے نظریہ میں فاسد اور مذموم معاشی نظام سے تعبیر کیا گیا ہے۔

پس جس حکمراں قوم کا معاشی نظام رفاہیت کی افراط کا داعی اور معاشی دستبرد کا حامل ہے اُس قوم میں کبھی اجتماعی محاسنِ اخلاق پیدا نہیں ہو سکتے اور وہ قوم ہمیشہ اجتماعی بداخلاقیوں کا معدن ہوگی، کمزور اقوام کے لیے فتنہ بنیگی۔ اور تکبر، ظلم، حق تلفی، دوسروں کی تحقیر و تذلیل اور خود غرضی و خوشامد پسندی جیسے مکروہ اخلاق اس کی فطرت ثانیہ بن جائینگے۔

اور اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ جو قوم غلامی یا دوسرے اسباب کی بدولت ایسے معاشی ... نظام سے دوچار ہو جو مقید اور عادلانہ رفاہیت سے خالی اور محروم ہے تو وہ دوسری قسم کی اجتماعی بداخلاقیوں کا گہوارہ بن جائیگی اور اس میں ذلتِ نفس، قنوطیت یعنی ناامیدی اور یاس، عجز، بزدلی، افلاس اور گداگری جیسی بد اخلاقیاں نمودار ہو جائینگی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پس شاہ صاحب کے زیر بحث نظریۂ اخلاق کے پیش نظر اجتماعی اخلاق اور عادلانہ معاشی نظام نظام میں ایسا تلازم ہے جو کسی طرح ایک دوسرے کو جدا ہونے نہیں دیتا۔ اور شاہ صاحب کی نظر میں اجتماعی اخلاق میں حسن و کمال جب ہی پیدا ہو سکتا ہے کہ حکومت کا معاشی نظام ایسے اعتدال پر ہو کہ جس میں بیجا کا عیش پسندی کا دخل ہو نہ افلاس اور فقر و فاقہ کا اور نہ وہ معاشی دستبرد اور آئینی استحصال بالجبر پر قائم ہو اور معیشت کے ترقی پذیر ذرائع سے خالی اور محروم ہو

حضرت شاہ صاحب فیوض الحرمین میں ایک مکاشفہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

میں نے رویائے صادقہ میں دیکھا کہ مجھ کو اللہ تعالیٰ نے نظامِ خیر کی تکمیل کے لیے اپنی منشاء و مراد کا آلۂ کار بنادیا ہے اور میں دیکھ رہا ہوں کہ تمام مسلم ممالک پر کفار نے غلبہ کر کے اُن کو تہ و بالا کر ڈالا ہے اور یہ دیکھ کر مجھ پر ایک غضب کی سی حالت طاری ہے اور میرے ارد گرد رومی، فارسی، ازبک اور عجم و عرب کے مسلمانوں کا جمِ غفیر جمع ہے کوئی گھوڑے پر سوار ہے تو کوئی اونٹ پر اور کوئی پا پیادہ اور وہ سب بھی میری طرح کفار کے اس غلبہ پر غضبناک نظر آتے ہیں، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ عرفات کے میدان میں بقصد حج جمع ہیں۔ آخر وہ میری جانب مخاطب ہو کر کہنے لگے:

ماذا حکم اللہ فی ھذہ الساعۃ (اس حالت کے پہنچ جانے کے بعد اب خدا کا فیصلہ کیا ہے ؟)

میں نے جواب دیا:۔

فك كل نظام ‏ موجودہ تمام نظامہائے عالم کو درہم برہم کر دینا[1]۔

امام الحکمت ولی اللہ کا اس سے یہ مطلب ہے کہ چونکہ اب عالم میں اسلام کا وہ بنیادی نظام باقی نہیں رہا جس کا جزوِ اعظم "صحیح معاشی نظام" ہے اور جو جمہور کے امن و اطمینان کا کفیل ہے تو اب تعمیر سے پہلے

[1] فیوض الحرمین۔ص ۸۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تخریب ضروری ہے اور اس کے بعد ہی اس عادلانہ نظام کے قیام کی توقع کی جاسکتی ہے۔

امام ابو یوسفؒ نے علم الاسرار کے معلّمِ اول اور شاہ صاحب کے جد امجد حضرت عمر بن الخطابؓ کا ایک مقولہ کتاب الخراج میں نقل کیا ہے، جو امام الحکمۃ کے نظریہ کی تائید کرتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے ایک ذمی یہودی کو بھیک مانگتے دیکھ کر فرمایا:-

وہ حکمراں خدا کے سامنے سخت مواخذہ میں گرفتار ہوگا جس کی قلمرو میں ایک بھکاری بھی بھیک مانگنے پر مجبور رہو۔

الحاصل امام الحکمۃ شاہ ولی اللہ دہلوی وہ پہلا فلسفی اور علم الاخلاق کا پہلا حکیم ہے جس نے دنیا کے سامنے یہ بیش بہا نظریہ پیش کیا کہ کسی قوم کا اجتماعی اخلاق تک پہنچنا اُس وقت تک ناممکن ہے جب تک اُس کے نظامِ حکومت میں ایسا "عادلانہ معاشی نظام" قائم نہ ہو جو افراط و تفریط سے الگ عوام و خواص دونوں کے لیے یکساں فلاح و خیر اور امن و عافیت کا ضامن ہو۔ اور بلاشبہ "ولی اللّٰہی حکمت و فلسفہ" کا یہ خصوصی امتیاز ہے کہ وہ اخلاقیات کو معاشیات کے ساتھ مربوط کرتی اور ان دونوں کے درمیان لازم و ملزوم کا رشتہ ثابت کرتی ہے۔

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین و العاقبۃ للمتقین۔

© rasailojaraid.com